© rasailojaraid.com

سلیمان شکوہ ـــــ اورنگ زیب

از جناب ڈاکٹر محمد عبداللہ صاحب چغتائی دکن کالج پونہ

مسلمانوں کا علم ادب برخلاف دوسری اقوام یا مذاہب کے ان کے مختلف ثقافتی ماحول کے باعث ایک امتیازی شان رکھتا ہے۔ علاوہ علما و فضلائ کے جن کا شیوہ ہی علم ادب ہے، مسلمان سلاطین اور شاہی خاندان کے افراد نے اکثر اپنے مخصوص انداز سے شعر و شاعری کو چار چاند لگائے جس کی وجہ یہ ہوئی ہے کہ ان کا فی البدیہ اظہار جو واقعاتِ گردونواح کا فیضان ہوتا ہے، عموماً تصنع اور بناوٹی بندشوں سے پاک ہوتا ہے بلکہ اگر سچ پوچھا جائے تو شعر کی تعریف بھی اسی کلام پر صادق آتی ہے ورنہ وہ ایک لاینحل فلسفہ بن کر رہ جاتا ہے اور شعر کا لطف بالکل ضائع ہو جاتا ہے۔

ان شاہی ادیبوں کے لئے ان کے غایت درجہ خوشی یا غایت درجہ رنج و غم کے مواقع میں شعر و شاعری کا اظہار ان کے افعالِ اضطراری کے طور پر ہو سکتا ہے مگر موخر الذکر سے یہاں زیادہ وہ مقصود ہے جو ان کو جنگ و جدل [illegible] داشت۔ مسئلہ تخت نشینی وغیرہ میں الجھاتے ہیں۔ بالخصوص مسئلہ تخت نشینی جو ابتدا [illegible] ایک جداگانہ حیثیت رکھتا ہے جس میں حصہ لینے سے بڑے بڑے نہیں بچے اور اسی بنا پر ہمیشہ مشہور قول "الملک عقیمۃ" کے فلسفیانہ پہلو کے علاوہ مساوی حقوق کے لئے جد و جہد کرتے رہے اور اکثر سیاست کے کھلے میدان میں دو حقیقی بھائی، باپ اور بیٹے، عم و عم زادہ وغیرہ کو مدمقابل و برسر پیکار ہو کر لڑنا پڑا ہے اور قدرتی طور پر ان میں سے ایک کو ضرور خفت اٹھانی پڑی جو یا تو میدان چھوڑ کر فرار ہو گیا، یا اسے وہیں اپنے حریف کی شمشیر کے آگے طوعاً و کرہاً گردنِ تسلیم خم کرنی پڑی مگر ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مغلوب ہونے والوں نے موت کو یقینی اور اپنی جدوجہد کا ایک قدرتی نتیجہ تصور کرتے ہوئے اپنی موت کا اس طرح بہادرانہ طور پر خیر مقدم کیا کہ آج اس کی مثال بھی عنقا ہے مگر اکثر نے حیاتِ مستعار کو ہمیشہ کے لئے وداع کرنے سے چند لمحے پیشتر اپنے جذبات کو ایسے تابناک اشعار کی صورت میں ظاہر کیا ہے کہ آج پڑھنے والا عش عش کرتا ہے۔ اور ان والہانہ ارتجالی اشعار کے مطالعہ سے ایک بات بالاتفاق مترشح ہوتی ہے کہ وہ اپنے حقوق کی نگہداشت اور مقصدِ جدوجہد میں اپنے آپ کو کہانتک برحق و صحیح العقیدہ سمجھتے تھے جو ان کی مزید اولوالعزمی پر دال ہے۔

مسلمانوں کی عام تاریخ میں تو بے شمار مثالیں اس کی میسر آسکتی ہیں مگر بالخصوص ہندوستان کے دار و گیر میں ان لوگوں نے جو جو اس قربان گاہ پر اپنے خونِ لالہ رنگ سے گل کھلائے وہ ایک عمدہ کتاب کا مواد مہیا کر سکتے ہیں۔ میرا اکثر خیال رہا کہ ان کو ایک جا جمع کیا جائے مگر دیگر امور سے فرصت کہاں۔ آج ہمارے سامنے انگریزی الفاظ کی آمیزش سے وفات سقراط کے واقعہ کو نہایت آب و تاب سے پیش کیا جاتا ہے مگر ہمارے ہاں تو ہر قرن میں اور قریب ہر سلطان کے اختتامِ عہد پر ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ کس طرح ان شاہی خاندانوں کے افراد نے موت کو یقینی اور حیات کو مستعار تصور کرتے ہوئے کس خوش اسلوبی سے موت کا چشم براہ ہو کر خیر مقدم کیا ہے۔ پھر اس پر طرہ یہ کہ ختم ہونے سے چند لمحے پیشتر اپنے جذبات کا بذریعہ اشعار یا اپنے مشہور اقوال سے اظہار بھی کیا۔

میرا خیال ہے کہ تاریخ مسلمانانِ ہند میں سلطان ناصر الدین قباچہ کی مثال اولیت کا درجہ رکھتی ہے۔ جب وہ سلطان شمس الدین التمش کی تیغ زنی کے سامنے عاجز ہو کر دریائے سندھ کے کنارے قلعہ بھکر میں پناہ گزیں ہوا تو وہاں بھی اس کا پیچھا کیا گیا اور اس کو یقین ہو گیا کہ اب موت کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا تو اس نے قلعہ سے باہر آکر دریا کے کنارے کھڑے ہو کر دشمن کو خطاب کر کے رباعی ذیل برجستہ کہی اور اس کے بعد دریا میں کود کر جان مستعار کو ہمیشہ کے لئے دریائی موجوں کے سپرد کر دیا ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گر سود تو ہست در زیاں چومنی کم باد ستِ ایام نشانِ چو منی
موئے نپسندم کہ شود آلود دست ہو توئی بخونِ جانِ چومنی

غرضکہ یہ واقعہ سلطان ناصر الدین قباچہ جو سلطان قطب الدین ایبک کا داماد تھا اور ریاست سندھ کے گرد و نواح کا مالک تھا ۱۹ جمادی الاول ۶۲۵ھ میں ہوا۔

اسی طرح یہ مثال بطور مقدمہ پیش کرنے کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ قریب قریب ہر عہد میں ایسی مثالیں ملتی ہیں مگر یہاں پر ذیل میں چند اشعار کو درج کیا جاتا ہے جو سلیمان شکوہ بن داراشکوہ اور اورنگ زیب کے درمیان وقوع میں آئے جبکہ اول الذکر قلعہ گوالیار میں موخر الذکر کی حراست میں تھا اور اتفاق سے ایک بیاض سے دستیاب ہوئے ہیں۔

ہمیں اورنگ زیب عالمگیرؒ کے واقعات تخت نشینی کا جو اس کو اپنے بھائیوں کے فیصلہ میں پیش آئے خوب علم ہے۔ چنانچہ جب دارا کا خاتمہ ہوگیا، شجاع ڈھاکہ میں لاپتہ ہوا، مراد کو حراست میں لیا گیا تو سلیمان شکوہ جو اپنے باپ دارا کے تتبع میں اورنگ زیب کا خوب مقابلہ کرنے کے بعد سری نگر میں پناہ گزیں ہوچکا تھا وہاں سے منگوالیا گیا اور ادھر اپنے شاہزادہ سلطان محمد کو بھی جو قلعہ سلیم گڑھ میں تھا منگوالیا تو ان تینوں کو قلعہ گوالیار میں باقی عرصہ حیات بغیر کسی سیاسی جدوجہد میں حصہ لئے عزلت میں گذارنے کے لئے ۲۲ ذی الحجہ ۱۰۶۹ھ کو روانہ کردیا جسے مورخ شاہجہانی نے یوں پیش کیا ہے ؎

دریں دیر دیریں بقائے ابد خدائے جہاں آفریں را سزد
کسی کے دریں دیر دارا بیاد کہ کے بود دارا را کجا کیقباد

مگر اس سے بڑھکر اسی واقعہ کو ایک اور معاصر شاعر حقیری نے اپنے رنگ میں سلیمان شکوہ

اھ حاجی الدبیر۔ ظفر الوالہ ص ۶۹۶۔ ۵۲ھ یہ بیاض مسٹر نادر شاہ ایرانی کی ڈاکٹر تاراپور والا سابق ڈائرکٹر دکن کالج ریسیرچ انسٹیٹیوٹ کے قبضہ میں ہے اور ان کی نوازش سے یہ اشعار لیکر درج کئے جاتے ہیں۔
۵۳ھ عمل صالح ج ۳ ص ۱۱ و ۴۲۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور سلطان محمد کے قلعۂ گوالیار میں برائے حراست جانے کو نظم کیا ہے[1] ؎

دو شہزادہ عالی تبار　　سپارید در دم بآں قلعہ دار
برآورد راز نہاں نہفت　　حقیقات شہزادگاں رانگفت

چنانچہ ذیل میں یہ چند اشعار ملاحظہ ہوں کہ کس طرح دونوں شہزادگان عالی تبار یعنی سلیمان شکوہ بن داراشکوہ اپنے عم اورنگ زیب عالمگیر کو جو برسر تخت ہے خود اس کی حراست میں رہ کر خطاب کرتا ہے اور موخرالذکر کس طرح اس کو اپنے برجستہ جواب سے نظم میں اپنے آپ کو سیاست کے میدان میں پیش کر کے سلطنت کا اہل تصور کرتا ہے ؎

سلطان سلیمان شکوہ بہ بلند اقبال اورنگ زیب نوشت

اے مسلماناں کہ من گنج و گہر گم کردہ ام　　فخرِ عالم پادشاہی بحر و بر گم کردہ ام
چوں ننالم چوں نسوزم چوں نگریم زار زار　　مادر و خواہر برادر با پدر گم کردہ ام
کوہسار درد و غم شد منزل و ماوائے من　　شاہ مرغانم ولیکن بال و پر گم کردہ ام
درد من از ہجر دارا کمتر از یعقوب نیست　　او پسر گم کردہ بود و من پدر گم کردہ ام
دور گردوں یکدہ روزی بر مراد ما نگشت　　لشکر نامرد و عالم در بدر گم کردہ ام
راہ لولے صد شرف دار دازیں خیل سیاہ　　زانکہ من از جنگ شان تاج و گہر گم کردہ ام

ایں سلیماں باکہ گوید ماند اندر بند و بو
از کف دولت نگین و تاج سر گم کردہ ام

جواب اورنگ زیب

اے سلیماں بے شکوہ تاج و گہر گم کردۂ　　ذلت عالم شد نصیبت بحر و بر گم کردۂ
چوں گرفتی مذہبِ بیقیدہا ازیں سبب　　مادر و خواہر برادر با پدر گم کردۂ
ہجر دارا سہل باشد ہجر یعقوبؑ سخت تر　　سنگ با گوہر چہ نسبت عقل سر گم کردۂ

---

[1] قلمی نسخہ "اورنگ نامہ" کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن۔ تاریخ فارسی ص ٦٠٣۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دور گردوں بمرادِ شاہی سی سال رفت — آخر از کم طالع خود ملک و زرگم کردۂ
چوں گریزاں گشت پدرت لشکر را چارہ نیست — خود شدی نامرد عالم تخت و زرگم کردۂ
خیل را بدنام کردن کار نامرداں بود — طالع برگشتہ زاں تاج و سرگم کردۂ
گر سلیماں نام شد طالع سلیمانی مجوی — خاتمش در دست آمد بود دگر گم کردۂ

باش در خلوت نشیں چوں کو بدت اہنگ شاہ
ورنہ از جاں دست شو نام پدر گم کردۂ

غرضکہ سلیمان شکوہ نے جو اس وقت تیس سال عین شباب کے عالم میں تھا۔ اسی قلعہ گوالیار میں جہاں وہ سمجھتا تھا کہ موت کے سوا اب کوئی اور چارہ نہیں ہے۔ اپنے اظہار مافی الضمیر کے بعد جو اس نے بالکل کھلم کھلا کیا ودیعت حیات مستعار کو اسی قلعہ میں مالکِ حقیقی کے ۱۱ر شوال ۱۰۷۳ھ کو سپرد کردی (عمل صالح ج ۳ ص ۳۲۵)

اخیر میں میں قارئین کرام کے لئے عرض کردوں کہ میں نے اس مختصر تحریر میں ان اشعار کی صحت یا ان کی حقیقتِ بحث سے اعراض کرکے ان کے اصل مقصد کو مدنظر رکھا جو یہاں واضح ہے۔ [1]

---

[1] ڈاکٹر چغتائی نے اپنے مقالہ کے ساتھ سلیمان شکوہ اور اورنگ زیب کے اشعار کا جو فوٹو بھیجا ہے افسوس ہے کہ اس میں بعض اشعار کے بعض الفاظ باوجود کوششِ بسیار کے پڑھے نہیں گئے پھر ایک مصرعہ ناموزوں بھی ہے۔ (برہان)

© rasailojaraid.com